بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لمعات

روزوں کا مقصد

(بارہا گفتہ ام و بارِ دگر می گویم)

پرویز

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ (۲/۱۸۳) "اے جماعتِ مومنین! تم پر صیام فرض قرار دیئے گئے ہیں"۔ یہ "کتاب" یعنی حکم ہے۔ اس کی غایات کے متعلق کہا۔
لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ (۲/۱۸۳) لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ (۲/۱۸۵) اور وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمۡ۔ (۲/۱۸۵)

تَتَّقُوۡنَ سے مراد یہ ہے کہ تم میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت کے لئے پختگی پیدا ہو جائے اور تم غلط راہوں پر چلنے کے نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ۔ تشکرون، سے مقصود یہ ہے کہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔ میں ان دو غایات کے متعلق سردست تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ قرآن کریم نے جو غایت الغایات بتائی ہے اس پر مرکوز ہوں گا۔ اور وہ غایۃ الغایات یہ ہے کہ تم خدا کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل کرنے سے اس قابل ہو جاؤ گے کہ دنیا میں خدا کی کبریائی قائم کر سکو۔ یہ ہے روزوں کے متعلق حکمِ خداوندی کا مقصود و منتہیٰ۔ یعنی خدا کی کبریائی قائم کرنے کے قابل ہو جانا۔

لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمۡ

سب سے پہلے لفظ "کبریائی" کو لیجئے۔ اس کے معنی حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ، فرعون کے پاس گئے اور اس تک خدا کا پیغام پہنچایا تو اہلِ فرعون نے کہا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ہم اس کی غرض و غایت کو خوب پہچانتے ہیں یعنی یہ کہ تَکُوۡنَ لَکُمَا الۡکِبۡرِیَآءُ فِی الۡاَرۡضِ (۱۰/۷۸) "تمہارا مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں حکومت تمہاری قائم ہو جائے۔ اقتدار تمہارے ہاتھ میں آ جائے"۔ اس سے لفظ "کبریائی" کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

———(o)———

جہاں تک خارجی کائنات کا تعلق ہے اس میں خدا کا اقتدار اور اس کی حکمرانی براہِ راست قائم ہے۔ تمام کارگہ کائنات اسی کے قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہے اور اس میں کسی شے کو مجالِ انحراف نہیں۔

یا رائے سرکشی نہیں: وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۴۵/۳۷) "کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کبریائی خدا کی ہے۔ وہ زبردست غلبہ کا مالک ہے۔ لیکن اس کا غلبہ مستبد حکمرانوں کا غلبہ نہیں۔ وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔" دوسری جگہ ہے: وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ۔ (۴۳/۸۴) "وہی آسمانوں میں بھی صاحب اقتدار ہے اور وہی ارض پر بھی صاحب اقتدار۔" (الٰہ کے معنی صاحب اقتدار کے ہیں)۔

خارجی کائنات میں تو خدا کا اقتدار از خود قائم ہے۔ لیکن اس کی مشیت کا پروگرام یہ ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس کی کبریائی از خود نہیں بلکہ انسانوں کے ہاتھوں قائم ہو۔ اسی مقصد کے لئے رسول بھیجے جاتے تھے اور رسول کے بعد اس کی ذمہ داری اس کی اُمت پر عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ جب نبی اکرمؐ کو منصب نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تو آپ کو حکم دیا گیا کہ یٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ "اے وہ کہ جس کی آمد سے خزاں دیدہ گلشن کائنات بہار نو کا مظہر بن جائے گا۔ (المدثر کے یہی معنی ہیں)۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ "اٹھ اور نوع انسان کو ان کے اپنے وضع کردہ نظام ہائے حیات کی تباہ کاریوں سے آگاہ کر دے۔" وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (۷۴/۱-۳)۔ "اور ان نظاموں کی جگہ اس نظام کو قائم کر جس میں کبریائی صرف خدا کے لئے ہو" ——— یہ تھا منصب رسالت۔

دوسرے مقام پر اسی حقیقت کو جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل بڑی وسعت چاہتی ہے۔ لیکن یہاں ان میں سے صرف دو ٹکڑوں کو نمایاں طور پر سامنے لاؤں گا۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ۔ "حکومت صرف اسی کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔" اور اس سے آگے ہے: وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۔ (۱۷/۱۱۱) "لہٰذا تم اس کی کبریائی قائم کرو۔" اسی اعتبار سے خدا نے اپنے آپ کو ایک جگہ اَلْمُتَكَبِّرُ (۵۹/۲۳) کہا ہے۔ کہیں اَلْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (۱۳/۹) اور کہیں اَلْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ۔ (۲۲/۶۲) ہماری دنیا میں وہ اَلْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ کیسے قرار پاتا ہے اس کی وضاحت اس نے یہ کہہ کر کر دی کہ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (۴۰/۱۲) تمہاری دنیا میں حکم صرف اس خدا کا چلنا چاہیئے جو ہر قسم کے غلبہ اور کبریائی کا مالک ہے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نہ تو ہمارے سامنے آتا ہے۔ نہ وہ تخت حکومت پر بیٹھتا ہے۔ نہ ہم اس کی آواز سنتے ہیں۔ تو ہمارے معاشرے میں اس کی حکومت کیسے قائم ہو گی؟ اس کے لئے اس نے خود ہی بتا دیا کہ ——— اس نے ہماری طرف اپنا ضابطہ احکام بھیج دیا ہے۔ جو حکومت اس ضابطہ کے مطابق قائم ہو گی اُسے خدا کی حکومت سے تعبیر کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵/۴۴)

جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے ان ہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

(۰)

لیکن خدا کی یہ کبریائی یونہی بیٹھے بٹھائے، وعظ و نصیحت یا تقاریر و خطابات سے قائم نہیں ہو جاتی

جب اس کا مقصد دنیا کے ہر نظام کو اُلٹ کر اُس کی جگہ نظامِ خداوندی کو متمکن کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر حکومت کی طرف سے اس کی مخالفت ہوگی اور ہر سفاد پرست گروہ اس کی مزاحمت کرے گا۔ ان مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلے کے لئے میدانِ جنگ میں بھی جانا پڑے گا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں جماعتِ مومنین کی ان جنگوں کی غایت یہ بتائی گئی ہے۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ (۹/۴۰)

اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر غیر خداوندی نظام مغلوب ہو جائے اور خدا کا نظام جسے غالب ہونے کا حق حاصل ہے، عملاً مسلط ہو جائے۔

اس سے چند ہی آیات پہلے کہا گیا ہے:۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ (۹/۳۳)

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت اور حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا تاکہ یہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آجائے۔ خواہ یہ تبدیلی ان لوگوں پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے جو خالص حکومتِ خداوندی قائم نہیں کرنا چاہتے۔

یہاں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اس نے رسول کو اس مقصد کے لئے بھیجا۔ لیکن دیگر مقامات پر اس کی وضاحت کر دی کہ نظامِ خداوندی کا قیام تنہا رسول کے ہاتھوں سے عمل میں نہیں آئے گا۔ اس کے لئے جماعتِ مومنین کی معاونت و رفاقت بھی ضروری ہوگی۔ یعنی یہ فریضہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ (۴۸/۲۹) کے ہاتھوں سرانجام پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے الاعلیٰ اپنے آپ کو کہا تھا۔ لیکن جس جماعتِ مومنین کے ہاتھوں اس کی کبریائی دنیا میں قائم ہوتی ہے۔ اس نے انہیں اَلْأَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا: وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۳/۱۳۸) "اگر تم مومن ہو اور مومن رہو گے تو دنیا میں تم ہی سب پر غالب رہو گے"۔ تمہارا قائم کردہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آجائے گا۔ اس غلبہ و تسلط کے لئے قرآنِ کریم نے إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ کی شرط عائد کر دی ہے۔ "یعنی اگر تم مومن ہو گئے تو"۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم مومن ہیں یا نہیں؟ اس کے لئے قرآن نے خود یہ واضح کر دیا کہ جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ مومن نہیں کافر ہیں۔ لہٰذا مومن وہ ہیں جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرتے ہیں۔ اور اس کی محسوس نشانی یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر قوم پر غالب رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ

وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (۴/۱۴۱)

خدا کبھی ایسا نہیں ہونے دے گا کہ غیر خداوندی نظام کی حامل قوم کو جماعتِ مومنین پر غالب آنے دے۔

لہٰذا یہ متعین کرنا بالکل آسان ہوگیا کہ ہم مؤمن ہیں یا نہیں؟

یہاں ایک عظیم نکتہ سامنے آتا ہے۔ خدا مؤمنین سے کہتا ہے کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ لیکن مؤمن اس کی عطا کردہ اس سرفرازی کے جذبۂ تشکر کے احساس سے بے ساختہ اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے اور انتہائی انکساری اور خاکساری کے عالم میں کہتا ہے کہ اَلْاَعْلٰی میں نہیں۔ سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ——— اَلْاَعْلٰی کے شایانِ شان صرف تیری ذات ہے۔ یہ تو تیری عاجز نوازیاں ہیں، جو ہمیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یہ علو مرتبت ہماری ذاتی نہیں، تیری عطا فرمودہ ہے۔ اگر ہمارا سر تیرے سامنے نہیں جھکتا تو یہ ساری کبریائی جو ہمیں حاصل ہوئی ہے فرعون کی تہرا نبت ہے، مؤمن کی علوشان نہیں۔ اسی بنا پر قرآن کریم نے حق پہ مبنی کبریائی اور باطل پہ مبنی کبریائی میں فرق کر کے بتا دیا جب کہا:-

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ (۷/۱۴۶)

جو لوگ الحق کے بغیر زمین میں غلبہ اور کبریائی حاصل کر لیتے ہیں۔ ہم اپنے قوانین کی رو سے انہیں اس مقام سے ہٹا دیں گے۔ اور ان کی جگہ وہ قوم لے لے گی جس کی کبریائی الحق پہ مبنی ہوگی۔

———(۰)———

ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ روزوں کی غرض و غایت اور مقصود و منتہیٰ کیا تھا؟ ان کا مقصد جماعتِ مؤمنین کو اس کے لئے تیار کرنا تھا کہ وہ دنیا میں خدا کی کبریائی متمکن کر سکیں۔ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰىکُمْ۔ صدر اوّل کی جماعتِ مؤمنین تیرہ برس تک مکہ کی زندگی گذارنے کے بعد مدینہ میں آئی تاکہ یہاں کی نسبتاً مساعد فضا میں نظامِ خداوندی کی بنیاد رکھ دی جائے، لیکن مخالفین نے انہیں یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ مقام جب پہلی مرتبہ (سنہ ۲ ہجری میں) روزے فرض ہوئے، اور ابھی سترہ دن کے روزے ہی رکھے گئے تھے کہ انہیں بدر کے میدان میں اترنا پڑا اور وہاں ان روزہ داروں نے خدا کی کبریائی کی پہلی اینٹ رکھ دی۔ آپ نے غور فرمایا کہ روزوں کی غایت کیا تھی؟ ——— لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰىکُمْ۔ خدا کے پروگرام کے مطابق ملک میں اس کی کبریائی قائم کرنا۔ اس زمانے میں مستقل فوج (STANDING ARMY) ہنوز وجود میں نہیں آئی تھی۔ قرآنِ مجید نے تمام مؤمنین کو مجاہدین (فوج کے سپاہی) قرار دیا تھا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ جس طرح آجکل مستقل فوج سے الگ ——— (RESERVISTS) ہوتے ہیں۔ وہ اپنا اپنا کاروبار کرتے رہتے ہیں لیکن انہیں سال میں ایک آدھ ماہ کے لئے بلا لیا جاتا ہے تاکہ وہ فوجی ٹریننگ کی تجدید کر لیں اور بوقتِ ضرورت فوج کے ہمدوش میدانِ جنگ میں نبرد آزما ہوں۔ خدا کی کبریائی کا تمکن مؤمن مجاہدین کا فریضہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کا مہینہ انہیں سپاہیانہ زندگی کا خوگر بنانے کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ مؤمن کی زندگی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب جنگ ہو رہی ہو تو وہ میدانِ جنگ میں ہو اور جب جنگ نہ ہو رہی ہو تو وہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو۔

آپ نے دیکھا کہ مؤمن کی زندگی کا مقصود و منتہیٰ دنیا میں خدا کی کبریائی کو متمکن کرنا ہے اور یہی مقصد روزوں

کا بتایا گیا ہے۔ اس کے لئے رمضان کے مہینے کی تخصیص کیوں کی گئی، اسے خود خدا نے یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (2/185) "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی" قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کے لئے نعمتِ عظمیٰ قرار دیا ہے اور ان سے کہا ہے کہ تم اس عظیم متاع کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۔ (10/58)

اے رسول! ان سے کہہ دو کہ تمہیں یہ متاعِ گراں بہا بلا مزد و معاوضہ مل گئی ہے۔ اس کے ملنے پر تم جشن مناؤ۔ تم جو کچھ بھی دنیا میں جمع کرو، یہ اس سے زیادہ گراں قدر ہے۔

لہٰذا، جسے عید الفطر کہا جاتا ہے وہ درحقیقت جشنِ نزولِ قرآن ہے۔ قرآن، خدا کی کبریائی کا ضابطۂ ہدایت ہے اور رمضان کے مہینے کے روزے مجاہدین کو خدا کی کبریائی قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کا پروگرام۔ اس پروگرام کے بخیر و خوبی انجام پانے پر جشنِ مسرت بالکل فطری عمل ہے۔

یہ تھا دین میں روزوں کا مقصد۔ یعنی لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ تاکہ زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے۔ لیکن جب دین، مذہب میں تبدیل ہو گیا تو قرآن کریم کے یہ الفاظ تو باقی رہ گئے لیکن ان کی غرض و غایت بالکل بدل گئی۔ آپ قرآن کریم کا کوئی سا با ترجمہ نسخہ اٹھا کر دیکھیں۔ اس میں ان آیات کا ترجمہ ان الفاظ میں ملے گا۔ "تاکہ تم خدا کی بڑائی بیان کرو"۔ یعنی دین میں ان الفاظ کا مفہوم، خدا کی کبریائی قائم کرنا تھا۔ مذہب میں ان کا مطلب خدا کی بڑائی بیان کرنا رہ گیا۔ کبریائی قائم کرنے اور بڑائی بیان کرنے میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ اس "بڑائی بیان کرنے" کے حکم کی اطاعت کے متعلق کہا گیا کہ نمازِ عید میں جو چھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں ان سے اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ اذان۔ نماز اور عیدین کی تکبیریں اپنی اپنی جگہ بجا اور درست، لیکن یہ تکبیریں ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ، یا ایک واقعہ کا اعلان تھیں۔ یعنی اس واقعہ کا اعلان کہ یہاں خدا کی کبریائی قائم ہے۔ اس حقیقت کے وقوع پذیر ہوئے بغیر، اس قسم کے اعلانات صرف چند الفاظ کا اعادہ ہیں۔ حقیقت اور اس کی رسمی ادائیگی کا یہی وہ فرق تھا جس کے احساس سے اقبالؒ کے دردمند دل نے باصد آہ و فغاں کہا تھا کہ ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن — ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور!
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

یہ مجاہد کی اذان تھی جو دن میں متعدد بار چھت اور مینارہ پر کھڑے ہو کر، دنیا میں اعلان کرتی تھی کہ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ

کبریائی صرف خدا کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے بعد وہ اعلان کرتا تھا کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

میرا یہ اعلان اس حقیقت کی شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ اس اعلان میں یہ نہیں کہا گیا کہ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں یا اعلان کرتا ہوں۔ کہا یہ گیا کہ میں اس حقیقت کی "شہادت دیتا ہوں"۔ شہادت اسی کی قابلِ قبول ہوتی ہے جسے اس بات کا ذاتی طور پر علم ہو۔ جو اس کا عینی شاہد ہو۔ اگر کوئی شخص عدالت میں جا کر یہ کہے کہ مجھے اس واقعہ کا ذاتی طور پر تو علم نہیں، میرا خیال یہ ہے۔ یا میں نے ایسا سنا ہے تو اس کی شہادت کا قابلِ قبول ہونا تو درکنار اسے درخورِ سماعت بھی نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا، اشہد ان لا الٰہ اسی کا قابلِ قبول ہوگا جو یہ کہے کہ میں اس کا گواہ ہوں کہ یہاں خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ یہاں خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ یہاں حکمرانی صرف خدا کی ہے۔ جو اس حقیقت کا شاہد نہیں اسے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے کا حق حاصل نہیں۔ یہی وہ شہادت ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ "خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں ہے"۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ "اور ملائکہ جو اس کے اس اقتدار کو بروئے کار لانے کے لئے مامور ہیں وہ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں"۔ انہیں بھی اس کا حق حاصل ہے کہ وہ بھی اس کی شہادت دیں، کیونکہ وہ اس کے عینی شاہد ہیں۔ اس کے بعد ہے وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ۔ "ان کے علاوہ وہ لوگ بھی اس کی شہادت دے سکتے ہیں جنہیں اس کا علم بھی حاصل ہے اور پھر وہ ایسا نظام متشکل کئے ہوئے ہیں جس میں خدا کی میزانِ عدل قائم ہے"۔ وہ لوگ ہیں جو اپنے ذاتی علم اور مشاہدہ کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۳/۱۷) "خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں اور اس کا اقتدار تنہا قوت پر نہیں، بلکہ قوت کے ساتھ حکمت پر مبنی ہے"۔

آپ نے غور فرمایا کہ ——— قرآن کریم کی رو سے اللہ اکبر کہہ کر کا حق کسے حاصل ہے؟ رمضان کے روزے جماعتِ مومنین کو اس قابل بنا دینے کے لئے تھے کہ وہ ملک میں خدا کی کبریائی قائم کریں اور پھر ساری دنیا کے سامنے اس کی شہادت دے سکیں۔

یہ ہے عزیزانِ من، میری قرآنی بصیرت کے مطابق صیام کی غرض و غایت اور رمضان کا مقصود و منتہیٰ۔

والسلام

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

———(۰)———

(یہ ہوتا ہے انداز محترم پرویز صاحب کے درسِ قرآن کا۔ یہ درس ۲۵/ بی۔ گلبرگ ۲ لاہور، میں ہر جمعہ کی صبح بالمشافہ ہوتا ہے، اور مختلف شہروں کی بزم ہائے طلوعِ اسلام کے زیرِ اہتمام "ٹیپ ریکارڈر" پر۔ انفرادی طور پر حسبِ فرمائش، ان درسوں کے ٹیپ (CASSETTES) بھی مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ (ناظم ادارہ طلوعِ اسلام لاہور)۔

———(۰)———